

تدوینِ فقہ

(۷)

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات

جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

بہر حال جس طریقہ سے بھی دیکھا جائے مشاہدہ اور تجربہ کی راہ سے ہو یا قرآن و حدیث کی روشنی میں ہو، ہر حال میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ افراد انسانی کا اختلاف مصنوعی نہیں بلکہ قدرتی ہے، بنانے والے نے آدمی کی ساخت ہی ایسی رکھی ہے کہ باہم ان کا مختلف ہو جانا ناگزیر تھا، اس کے ازالہ کا خیال قدرت سے مقابلہ کا خیال ہے۔ البتہ اس قسم کے جلی صفات کے مفاسد کے روکنے کی کارگر تدبیر ہمیشہ سے ہی رہی ہے کہ ازالہ نہیں بلکہ ازالہ کر کے بجائے نقصان کے ان سے نفع اٹھایا جائے اور اسلام نے یہی کیا بھی ہے، اس نے دین کے ایک حصہ کو توشیح و عام اور استفاضہ کی راہ سے لوگوں میں اس طرح پھیلا دیا کہ خود شریعت کے العیاذ باللہ غلط یا صحیح ہونے کا احتمال تو ان قلوب میں پیدا ہو سکتا ہے جواب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان نہیں لائے ہیں۔

لیکن یہ بات کہ جس حصہ کو یہ کیفیت عطا کی گئی ہے وہ اسی دین کے اجزاء ہیں جس کی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے اس کا انکار آدمی کے بس سے باہر ہے، مثلاً خود قرآن کا جو چیزیں اسلام کی راہ سے پہنچی ہیں جس راہ سے قرآن پہنچا ہے ان کا جو حال ہے، قرآن میں اسی کا نام "البینات" رکھا گیا ہے، یعنی ان کا دین کے عناصر و اجزاء میں ہونا ایک ایسی کھلی بین حقیقت ہے جس کا انکار عقل و فطرت کے حدود سے خارج ہے، ان ہی "البینات" پر متفق و متحد کر کے مسلمانوں کے اختلافی پہلو کا ازالہ ان امور کی طوف کر دیا گیا، جن کی حشمت دین میں "البینات" کی نہیں ہے

یعنی "البینات" میں متفق و متحد ہو کر اگر غیر بیناتی مسائل میں اختلاف بھی پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو ایسا اختلاف نہیں قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ایک ٹولی کا دین دوسری ٹولی کے دین سے یا ایک فرقہ کا مذہب دوسرے فرقہ کے مذہب سے جدا ہو جاتا ہے، اور یہی وہ بات تھی کہ ابتداء ہی سے یعنی عہد صحابہ ہی سے مسلمان ان امور میں مختلف ہوتے رہے، لیکن نہ اس اختلاف کو انہوں نے چنداں اہمیت دی، اور یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں کہ محض اس اختلاف کی وجہ سے مسلمانوں کے کسی گروہ کو دوسرے طبقہ سے جدا کیا گیا ہو، بلکہ اس اختلاف میں افادے کے نت نئے پہلو مختلف زمانوں میں مسلمان جو پیدا کرتے رہے، ان کی ایک حد تک تفصیل سنی جا چکی ہے۔

اسی تو یہ ہے کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں مختلف اقالیم و امصار میں جن بزرگوں کے جن خداداد کمالات کا ظہور اسلام کے مختلف شعبوں میں ہوتا رہا۔ اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو ہر دور کار لانے میں ان اختلافات کا بھی حصہ ہے، ان ہی کی تحقیق و تفتیش تنقید و تنقیح اور ان میں تطبیق و توفیق و ترجیح کی کوششوں ہی کا تو یہ نتیجہ ہے کہ دنیا میں مسلمانوں کی امانت و پیشوائی کے جلیل منصبوں پر وہ سرفراز ہوئے اور اپنی محنتوں، جان کا ہیول کا جو صلہ اس دن ان کے سامنے جب آئے گا جس دن ہر صاحب فضل کو اس کا فضل عطا ہوگا، آج اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، سورہ ہود کی مذکورہ بالا آیت کے متعلق بعض ارباب نظر کی نظر جو یہاں پہنچی ہے جسے قاضی بیضاوی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اولیہ والی الرحمة یعنی ذالک کے اسم اشارہ کا اشارہ اختلاف کی

(ج ۱ ص ۳۸۹ مطبوعہ ہند) طرف بھی ہو، اور رحمت کی طرف بھی ہو۔

تو جہاں تک واقعہ ہے اس سے تو اسی کی تائید ہوتی ہے، مطالب یہ ہے کہ میلانات و رجحانات کے فطری اختلاف کے رخ کو "البینات" سے ہٹا کر جن لوگوں نے دین کے غیر بیناتی حصہ کی تحقیق و تیسرچ کی طرف پھیر دیا، ظاہر ہے کہ اپنے اجتہاد و کوشش کے صلہ سے وہ محروم نہیں ہو سکے اور محروم کیا معنی خدا کی رحمتوں اور کرامتوں کے وہ مستحق نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا،

پس کھلی ہوئی بات ہے کہ یہی اختلاف ان کے حق میں ذریعہ رحمت بن گیا، اور یوں ذلک کے اہم اشارہ کا اشارہ "اختلاف اور رحمت" دونوں طرف صحیح ہو جاتا ہے۔

بلکہ کل ان کے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے اس کا ثبوت آج ہی اس سے مل رہا ہے، کہ کروڑ ہا کروڑ مسلمانوں کے قلوب نسلاً بعد نسل ان بزرگوں کے تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہیں اتنے لبریز کہ "رحمۃ اللہ علیہم" رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعاؤں کے بغیر ان کا تذکرہ نہیں کر سکتے، آخر کوئی بات ہی تو ہے کہ کتب خانوں کے میاں جی بیچارے بھی تو بچوں کو قرآن ہی پڑھاتے ہیں، خدا کی باتیں ہی سکھاتے ہیں، مگر اعزاز و احترام کا وہ حصہ ان کو نہیں دیا جاتا جو صرف ان بزرگوں کے ساتھ مخصوص ہے جنہوں نے خلافتی مسائل کے سلجھانے کی کوششوں میں اپنی جانیں لڑادی ہیں۔

یہی وہ وجوہ و اسباب ہیں جن کی بنیاد پر سمجھا جاتا ہے کہ انسانی افراد کے باہمی اختلافات کے ازالہ کی کوشش دنیا کے جن مکاتب خیال میں چاہا جاتا ہے، خواہ اس کا تعلق دین سے یا دنیا سے یا زندگی کے کسی شعبہ سے ہو یہ ایک لا حاصل کوشش اور بے معنی سعی ہے بلکہ یہ نصب العین خود اس نصب العین کی غلط اور باطل ہونے کی دلیل ہے۔

ضرورت جو کچھ بھی ہے وہ ازالہ کی نہیں، بلکہ صرف ازالہ کی ہے اور یہی تدبیر اسلام نے اختیار کی، مسلمان ابتداء سے اسی پر عمل پیرا رہے۔

۱۔ مجھے تو اس پر حیرت ہوتی ہے کہ انسانوں میں کوئی اونچا کیوں ہو اور نیچا کیوں ہو، اس سوال کے اٹھانے والے اس کے سوا اور کیا چاہتے ہیں کہ دنیا جو کچھ مان رہی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی ماننے لگے، ان کو اپنا امام بن لے، اور خود ان کے پیچھے پیچھے چلے۔ کیا خود یہ نظارہ اسی کا نہیں ہے کہ سب کو نیچا کر کے ایک ان میں اونچا بن رہا ہے یا بننا چاہتا ہے۔ آخر جاہ کی راہوں میں یہ نشیب و فراز بہر حال جب باقی ہی رہے گا تو بالفرض اگر مال کی حد تک ہمواری پیدا کرنے میں کامیابی بھی ہو جائے تو اس کا کیا حاصل، ضرورت کی حد تک مال کی طلب کا پیمانہ ہی کیلئے ہے۔ ضرورت تو اس کی بھی پوری ہوتی ہے جو غریب مہینہ میں دس پانچ سے زیادہ کما نہیں سکتا۔ معاشی تنگ و دو کی ساری گرم بازاری کے پیچھے غور کرنے والے جانتے ہیں کہ زیادہ تر آبر و جاہ ہی کا جذبہ چھپا ہوا ہے، اور اگر جاہ طلبی کا دروازہ بھی بند کر دیا گیا تو دنیا میں ہوا آخرت میں افراد کے فطری کمالات کے ظہور کا ذریعہ ہی کیارہ جائے گا۔

لیکن اچانک مسلمانوں کو کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ ”مذہبی اختلاف“ جس میں گوناگوں مصالح و منافع کی ضمانتیں پوشیدہ تھیں، ایک ایسا لفظ بن گیا ہے کہ زبان سے ادا صرف کلا نہیں اوریشیا نیاں چڑھ گئیں، حقارت و نفرت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شدید ترین جرم ہے جس کے مسلمان مرتکب ہیں، ان پر تو زبانیں بہ ظاہر نہیں کھلتیں، جن پر زبان کھولنے نتیجہ اگر اپنے خون سے نہیں تو کم از کم اپنی عزت و آبرو بے کھیلنا بن جاتا ہے، لیکن لعنت کی کوئی قسم اور ملامت کا کوئی طریقہ باقی نہیں چھوڑا جاتا جو عام مسلمانوں پر مذہب سائے جاتے ہوں، وہ دھتکارے جاتے ہیں، درد راسے جاتے ہیں، اسی قصور میں کہ مذہبی ”اختلافات“ کے قصوں کے مٹانے میں وہ اب تک کامیاب نہیں ہو سکے، ذمہ داری اسی کی تھوپی جاتی ہے مذہبی پیشواؤں کے سر اور دھجیاں اس کے بعد بکھیری جاتی ہیں ان غریبوں کے جبہ و دستار کی۔

یہ حال ہے جس میں کسی ایک ملک ہی کے مسلمان مبتلا نہیں ہیں بلکہ تقریباً آج جہاں کہیں ایسے مقامات ہیں مسلمان آباد ہیں جہاں کسی نہ کسی بھیس میں مغربی تہذیب تمدن کے تھپڑے پہنچ سکے ہیں، سب کی یہی کیفیت ہے؟

وقت آ گیا ہے کہ کچھ اس کے متعلق بھی عرض ہی کر دیا جائے، طوالت تو ہو ہی چکی، لیکن جس لئے طوالت کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے، ڈر ہے اگر یوں ہی خاموشی اختیار کی گئی، جیسے اب تک کی جا رہی ہے تو اس کا طول و عرض حد سے زیادہ نہ متجاوز ہو جائے، میں نے کسی موقع پر اشارہ کیا تھا کہ مسلمانوں کے حال کو ان کے ماضی سے بے تعلق کر کے جب تک توڑا نہیں گیا تھا اس وقت تک ان ”مذہبی اختلافات“ کی ضرور سانی کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہ تھی، بلکہ بالعکس اس کے ہمیشہ ہر دور میں بزرگوں نے اس کے افادی پہلوؤں ہی کو مسلمانوں پر واضح کرنے کی کوشش کی۔ دراصل ان اختلافات کی تاریخ کا یہی وہ ماضی تھا جس سے بتدریج مسلمانوں کو جدا کیا جا رہا ہے اور تم بالائے تم یہ ہو کہ اپنے ماضی سے توڑنے پر بس نہیں کیا گیا، بلکہ کچھ ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں یا قصداً کئے جا رہے ہیں جن کی بدولت اینٹوں سے ٹوٹ کر شمع کی باغی شعوری طور پر مسلمان اپنے حال کو

ان قوموں کے ماضی سے جوڑ رہے ہیں جن کا ماضی مسلمانوں کے ماضی سے مختلف بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ بالکل مختلف ہے، لیکن مغالطہ یہ ہو رہا ہے یا دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ پس انسانوں کی تاریخ ماضی کا مطالعہ انسانوں ہی کے حال کی تصحیح کے لئے اگر کیا جائے اس کے سوا فطری قاعدہ اور ہو ہی کیا سکتا ہے۔

لیکن میں اس کو مغالطہ اور بدترین قسم کا مغالطہ یقین کرتا ہوں، تفصیل کے لئے تو شاید ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے، لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا خلاصہ شاید یہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مذہبی اختلافات کے باب میں مسلمانوں کی اگلی نسلوں کے جو احساسات تھے، غالباً اس کا ایک معتد بہ اور کافی حصہ آپ سُن چکے، اب ذرا آئے، جن قوموں کی ماضی کا اپنے جیسے انسان باور کرا کے اپنے حال کی تصحیح کے لئے ہم سے مطالعہ کرایا جا رہا ہے، یا ہم آج ان کا مطالعہ کر رہے ہیں، واقعہ ان کے ماضی کی صحیح اور سچی داستان مذہبی اختلافات کے مسئلہ میں کیا ہو، میں صرف اشارے کروں گا۔ کیونکہ واقعات سے کم و بیش لوگ آگاہ ہیں، البتہ ان کے متعلق جس نقطہ نظر کو اس تقابلی مطالعہ کے سلسلہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں، عموماً اس سے غفلت برتی جاتی ہو، اس لئے میرا یہ بیان تفصیل کی نہیں صرف تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ مذہب کے متعلق آج یورپ کے احساسات کچھ ہی ہوں لیکن زیادہ دن نہیں گزرے ہیں، صدی دو صدی سے بھی شاید کم ہی مدت کہ یورپ ایک مذہبی اور عالمی قسم کا مذہبی ملک تھا۔ مختلف عوامل و موثرات، اسباب و وجوہ کے تحت آج سو سینکڑوں سال بلکہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال بھی اگر کہا جائے تو یہ غلط نہ ہوگا کہ مذہب نے اس ملک میں اپنا ایک عجیب و غریب نظام قائم کر لیا تھا، وہی نظام جس کی عام تعبیر لفظ "کلیسا" سے کی جاتی ہے۔ یہ کلیسا اور اس کا قائم کیا ہوا نظام کیا تھا؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ ہزار ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ ہے۔ لیکن اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ ایک بڑا طاقتور اور قوت مہم جو مذہب کے نام

مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، غریب ہو یا امیر، حتی کہ چھوٹے چھوٹے راجاؤں سے لیکر بڑے بڑے صاحبانِ تخت و تاج با شوکت و جبروت سلاطین بھی طاقت و قوت کے اس آہنی شکنے میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ کلیسا کی مرضی کے خلاف ہل بھی نہیں سکتے تھے، یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے جس دور کا نام یورپ کی تاریخ میں "قرونِ متوسطہ" رکھا گیا ہے، اور آج ان قرونِ متوسطہ کو ریسرچ کے زور سے مسلمانوں کی تاریخ میں بھی ڈھونڈھا جا رہا ہے۔ چاہا جا رہا ہے مسلمانوں کے گزرے ہوئے قرون میں بھی کچھ ایسے قرون پیدا کئے جائیں جن کا نام بھی وہی ہو "قرونِ متوسطہ" کا نام ہو، اور ثابت کر دیا جائے کہ ان کے کام بھی وہی تھے جو یورپ کے "قرونِ متوسطہ" میں انجام دیئے گئے۔

خیر یہ تو الگ بات ہے کہ مسلمانوں پر بھی کچھ ایسے قرون گزرے ہیں یا نہیں، جنہیں وہ "قرونِ متوسطہ" کے قرونِ متوسطہ کا ہمدوش و ہم زلف قرار دیا جاسکتا ہو، لیکن اس پر کوئی شبہ نہیں کہ یورپ اپنے قرونِ متوسطہ کے متعلق کلیسا کی بے پناہ قوتوں اور طاقتوں، عنانِ اقتدار و اختیارات کی جو داستان بیان کرتا ہے یقیناً وہی ہے جو وہ بیان کرتا ہے۔

کہہ چکا ہوں کہ تفصیلات کا نہ تو یہاں موقع ہے اور نہ ان کی ضرورت ہے۔ صرف موری مونی چند مشہور چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز جو سامنے آتی ہے وہ "Biblical Decretalis" نام کا وہ مجموعہ ہے جسے آج یورپ اپنی تحقیقاتی روشنی میں خواہ کچھ ہی قرار دیتا ہو، لیکن جب ۸۰۰ء میں رومۃ الکبریٰ سے وہ شائع کیا گیا اور تقریباً ہزار بارہ سو سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ زمانہ تک مقدس صحیفہ کی حیثیت سے کلیسا کے خزانہ میں وہ محفوظ رہا، سب جانتے ہیں کہ اس کی نوعیت ان لائبریری و ثائق و مستندات کی تھی جن کے کسی ایک فقرہ پر شک کا اظہار ارتداد اور دینِ مسیحی سے خارج ہونے کے لئے کافی تھا۔ اے جی۔ گرانٹ صاحب اپنی کتاب تاریخِ یورپ میں ان مندرجات کا جو اس مجموعہ میں سے یہ خلاصہ بیان کر رہے ہیں۔

یورپ کو کلیسا کے معاملات میں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات حاصل ہیں، اور

مغربی ممالک (یورپ) پر حکمرانی کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ نہ

اس مجموعہ کے نہ براہ راست دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا ہے نہ ان کے تراجم تک میری

آئی ہے لیکن جن تحریروں کے کسی مجموعہ کا یہ خلاصہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں کیا کچھ نہ ہوگا۔

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ وہ شاہی وثیقہ ہے جو سب سے پہلے عیسائی مذہب کے

دل کرنے والے بادشاہ "قسطنطین" کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ کلیسا کے نام تعمیل کیا گیا۔ گرانٹ صاحب

نے جس کا نام "عطیہ کانسن ٹن ٹائن" بتایا ہے اور وہی راوی ہیں کہ اس عجیب و غریب نوشتہ میں یہ بیان

لکھا ہے۔

"شہنشاہ کانسن ٹن ٹائن وفادار و رحمدل، قادر و نیک منش، شاہ اقوام المانی و سربانی

و جرمانی، و برطانی، و ہونی، پارا، و خوش نصیب فاتح و غازی دزدی شان، مرض

جذام میں مبتلا تھا اور بت پرست بچاریوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ معصوم بچوں

کے خون میں نہائے بغیر اسے صحت نہیں ہو سکتی۔ مگر سینٹ پال اور سینٹ پیٹر کی

دعاؤں سے اسے صحت حاصل ہوئی اور صحت یابی کے شکرے میں اس نے حکم

دیا کہ کلیسا روم کا قسین اعلیٰ تمام دنیا کے قسینوں کا سردار ہوگا، اور یورپ سلوٹر

ہمارے محلات واقع روم، اور خود شہر روم، اور اطالیہ کے تمام اضلاع اور صوبوں

اور ممالک غرب (یورپ) پر قابض رہیگا۔"

اور آخر میں لکھا ہوا تھا کہ

"ان احکام میں ختم عالم تک کسی قسم کی ترمیم یا تغیر نہ کیا جائے۔"

جیسا کہ گرانٹ صاحب نے خود ہی لکھا ہے کہ پہلا مجموعہ بھی

"زمانہ حال کے تحقیقات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ سب تحریروں جعلی تھیں۔"

اسی طرح 'کائنات' کا عظیمہ ڈالے و شیعہ شاہی کے متعلق بھی وہی لکھتے ہیں کہ

"پندرہویں صدی تک جب تک کہ یورپ میں پھر علوم و فنون کا دور دورہ نہ ہوا،

کسی میں ہمت نہ تھی کہ اس تحریر کو جعلی قرار دے یا اس کی صحت میں شک لائے" (۲۵۲)

اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن لوگوں پر اقتدار کے پنجوں کو مضبوط کرنے کے لئے

یہ جعلی تحریریں وقتاً فوقتاً بنائی جاتی تھیں، ان بھولے بھالے مسکینوں پر ان کا کیا اثر مرتب ہو سکتا تھا

اسی کا نتیجہ تھا کہ بتدریج پوپوں کی قوت اپنی جڑیں جاتی چلی جاتی تھی۔ تاہم کہ گیارہویں صدی

عیسوی کے مشہور پوپ گری گوری ہفتم کے زمانہ میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس عہد کی ایک تحریر

کا ترجمہ گرانٹ صاحب نے ان الفاظ میں دیا ہے:-

"پاپائے روما کا دنیا میں کوئی ثانی نہیں، اسی کو بپشپوں کے عزول و نصب کا اختیار

ہے، اس کے افعال پر حرف گیری کرنے والا کوئی نہیں، کلیسہ روما کو نہ کبھی دھوکہ ہوا

ہے اور نہ ہوگا، پوپ کو شہنشاہوں کے معزول کرنے کا اختیار ہے، انسانی نخوت

نے بادشاہوں کی قوت پیدا کی ہے، اور خدا کے رحم نے بپشپوں کی قوت پیدا کی ہے

پوپ شہنشاہوں کا آقا ہے۔" (ص ۲۶۸)

گرانٹ صاحب نے لکھا ہے اور سچ لکھا ہے کہ اسی قسم کی تحریروں کا اثر تھا کہ پوپ

"کلیسہ کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوت خیال کرتے جسے اقتدار ذات باری تعالیٰ ہی براہ

راست عطا ہوا تھا اور جس کے بادشاہ اور شاہزادے دست نگر تھے۔" (ص ۲۶۸)

نہ صرف پوپ ہی کا وجود ہر قسم کی حرف گیریوں سے آزاد تھا بلکہ جن بپشپوں اور پادریوں کو خدا کے

رحم نے پیدا کیا تھا، ان کے متعلق بھی پوپ کا دعویٰ تھا کہ

"سلطنت کی عدالتوں کو پادریوں کے مقدمات سماعت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے" (ص ۳۳۶)

گرانٹ صاحب نے ۱۵۷۷ء میں گری گوری ہفتم کی اس پاپائی گشتی کا ترجمہ ایک موقع پر یہ درج کیا ہے۔

دنیاوی حکام خواہ شہنشاہ ہوں یا بادشاہ وغیرہ وہ ہرگز مجاز نہیں ہیں کہ عہدہ دارانِ کلیسا کا تقرر عمل میں لائیں اور عصا اور انگشتی سے اس کو سرفراز کریں۔

آگے تھا۔

اگر کوئی شہنشاہ یا بادشاہ یا ڈیوک وغیرہ مذہبی خدشات کے تقررات میں دخل دینے کی جرأت کرے گا تو وہ کفر و مرتد ہے۔ (ص ۲۰۰)

کفر و ارتداد کے اس پاپائی فتویٰ کے بعد پادریوں کے اقتدار کا جو حال ہو سکتا ہے ظاہر ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ یورپ تو یورپ تمام دنیا کے مسیحی ممالک کے لئے ان کی تعمیل واجب و فرض سمجھی جاتی تھی، گرانٹ نے شاہ فریڈرک کے حالات میں ایک موقع پر لکھا ہے کہ پوپ نے شہنشاہ کو کلیسا سے خارج کر دیا تھا اور یہ کم سے کم سزا تھی جو کسی بادشاہ کو پاپائی آستانہ سے بہ نظر ترجمانہ دی جاتی تھی، اثر صرف اس قدر تھا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں جو صلیبی لڑائیاں یورپ پوپ کی فتویٰ نمایوں کی روشنی میں لڑ رہا تھا، اس جنگ میں "کلیسا بدر" بادشاہوں کو شرکت کا استحقاق باقی نہ رہتا تھا۔ بہر حال فریڈرک کو بھی سزا دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا، جیسا کہ گرانٹ ہی نے لکھا ہے۔

جب وہ (فریڈرک) وہاں (یروشلم) پہنچا تو اسے کوئی پادری ایسا نہ ملا، جو تاج اس کے سر پر رکھتا (یہ ایک رسم تھی جو بادشاہوں کے لئے پادری ادا کرتے تھے) کیونکہ وہ کلیسا سے خارج ہو چکا تھا اس لئے اس نے قربانگاہ سے تاج اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پر رکھ لیا۔ (ص ۲۹۸)

یہ چند سرسری اور عام باتیں ہیں، جن سے یورپ کی تاریخ کا شاید کوئی معمولی طالب علم بھی ناواقف نہ ہوگا، آپ ان حقائق کو اپنے سامنے رکھئے جن کا حاصل صرف یہ ہے کہ کلیسائی نظام جو درحقیقت ایک انتہائی قسم کا آہنی سیاسی نظام تھا، لیکن اس کی جڑوں میں مذہب کے نام سے باقی رہتا یا جاتا تھا، بات بات پر خدا و خدا کے بیٹے اور خدا کے بیٹے کے حواری پطرس کے ناموں سے

وہ سب کچھ کیا جاتا تھا جس کی نظیر شاید دنیا کے جابرہ و عمالقہ یا موروں اور فرعونوں کی زندگیوں میں بھی مشکل ہی مل سکتی ہے، مگر ان کے کسی قول و فعل پر حرف گیری کفر و ارتداد اور ابدی جہنمی ہونے کے مرادف تھا، حکومت ان پر مقدمہ نہیں چلا سکتی تھی۔

ایک طویل قصہ کے واقعات سے متاثر ہو کر سنہری چارم نے پوپ کو اس خط کے لکھنے کی ایک دفعہ جرأت کی بجنسہ جسے گرانٹ نے نقل کیا ہے۔ شروع میں تھا۔

”از شاہ سنہری“ جو غاصب نہیں بلکہ بفضل الہی حکماں ہے، بنام ہلڈی برانڈ (نام پوپ)۔

جو بظاہر پوپ ہے، لیکن دراصل ایک بدکردار راہب ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

گرانٹ نے آگے نقاط ایمائی دے کر غالباً ان بدکرداریوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن کا ذکر سنہری نے اپنے مکتوب میں کیا ہوگا، پوپ نے جو اس کا جواب دیا تھا اس میں پہلے تو لپرس حواری کی روح کو خطاب کر کے اپنی مظلومیت پر رویا ہے اور آخر میں تھا۔

”میں تمام مسیحیوں کو سنہری چارم کی فرمانبرداری سے بری کرتا ہوں اور حکم دیتا ہوں

کہ کوئی شخص اس کو یا شاہ تسلیم نہ کرے، چونکہ اس نے عیسائی ہو کر فرمانبرداری سے

منہ موڑا ہے اور خدا سے منحرف ہوا ہے لہذا میں اسے ملعون قرار دیتا ہوں“ (ص ۲)

آج ظاہر ہے کہ یہ بے جان الفاظ صرف الفاظ ہیں، لیکن جن دنوں پوپ کا انحراف خدا سے انحراف کے ہم معنی بنا ہوا تھا اس وقت اس کا کیا اثر پڑتا ہوگا، پھر کلیسا کے اس نظام سے پوپ اور پوپ کے ماتحت بشپوں اور پادریوں نے جس قسم کے مطلق العنانہ اقتدارات حاصل کئے تھے، ان اقتدارات سے جو نفع وہ مسلسل سرزمین یورپ میں تقریباً ایک ہزار سال تک اٹھاتے رہے، آج اُن سے کون ناواقف ہے؟ ”اعتراف جرم“ کی چلتی ہوئی تدبیر نے عوام کی گردنوں کو ان مذہبی نمائندوں کے فولادی پنچوں میں جس طریقہ سے دبایا تھا، کہ پادریوں کے جرائم سے کوئی واقف نہیں، لیکن ہر خونی، چور، ڈاکو، بٹ مار، اپنی زندگی کا سارا کچا چٹھا ان کے آگے اگلے اٹاتا تھا، جنت کے ان کھینچ رہا رہا دل سے عوام کا کوئی بچہ بچہ ان کے آگے اگلے اٹاتا تھا، جن جن جن

طریقوں سے ان کو لوٹا کھسوا ہے، کیا ان کی تفصیل کی حاجت ہے؟ پروٹسٹنٹ فرقہ کے بانی لو تھر کے متعلق تو کہتے ہیں کہ شروع میں کلیسا کی مخالفت پر اس کو جس چیز نے آمادہ کیا وہ ان پادریوں ہی کا پرانا دستور ”جنت فروشی“ کا تھا۔ گرانٹ نے اس قصہ کو درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بہتر نامی پادری، لو تھر کے زمانے میں جرمنی آیا، ایک گرجے کی تعمیر کے لئے چندہ جمع کرتا تھا، لیکن کس طریقہ سے،

”اس نے لوگوں کے سامنے معافی کے پروانوں کی فروخت شروع کی۔۔۔۔۔“

اور یہ کہ

”اگر وہ چندہ دیں گے تو اس کے معاوضہ میں خود ان کے اعزہ و اجاب دوزخ کی

آگ سے محفوظ رہیں گے۔“ (ص ۴۹)

اور یہ کوئی استثنائی مثال نہ تھی، کلیسا، جس کا نظام پورے ملک پر محیط اور حاوی تھا چپہ چپہ پر گرجوں اور خانقاہوں میں کلیسا کے ملازم پادری اور شپ بیٹھے ہوئے اس کا انتظام کرتے رہتے تھے کہ نزع کی کیفیت کس ڈیوک یا نائٹ پر ہمارے علاقہ میں طاری ہوتی ہے، لکھا ہے کہ پادری کا اس وقت مرنے والے کے سر ہانے پر موجود رہنا ضروری تھا، مرنے والے کا ادم دم نکل رہا ہے اور پادری صاحب مراقبہ سے سہراٹھا کر سیاہ سیاہ چہروں، نیلی نیلی آتشیں آنکھوں والے فرشتوں کی آمد کی اطلاع دیتے ہیں، جو اس گناہ گار کی روح قبض کرنے کے لئے آدھکے ہیں نجات کی راہ صرف یہ بتائی جاتی ہے کہ کلیسا کے نام کچھ وقف کیا جائے، خیرات نکالی جائے، کس کس جگہ اتنا سخت ہوگا جو ایسے وقت میں بھی نہ پگھل جاتا ہوگا، علاقے کے علاقے ان تدبیروں سے کلیسا کی ملک میں مسلسل منتقل ہوتے جاتے تھے، خدا کی رحمت کی باضابطہ تجارت ہوتی تھی۔

اور یہ تو اس وقت کے قصے ہیں جب تک کلیسا کے خلاف لب ہلانے، پیشانی پر بل ڈالنے

کی ہمت کسی میں نہ تھی، لیکن سولہویں صدی کی ابتداء میں جب لو تھر کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور

خبر پڑی کہ ان کا نظام کراہی اور وہ آمادہ ہوا، اس کے بعد انیسویں صدی کے قریب

قرب تک اسی غریب مذہب کے نام سے خون کی جودیاں کلیسا کی طرف سے بہائی گئیں، اس وقت سے جب سولہویں صدی کے آخر میں یعنی ۱۸۵۷ء میں جو قتل عام پیرس کی گلیوں میں رومن کیتھولک (یعنی کلیسا کے علمبرداروں) کی طرف سے پروٹسٹنٹ فرقہ کا کیا گیا، نو دن تک قتل کا یہ بازار گرم رہا، پچیس سے ستر ہزار تک مختلف اندازہ کرنے والوں نے مقتولین کی تعداد بتائی ہے، حاملہ عورتوں کے بچوں کو پیٹ پھاڑ کر زندہ نکالا جاتا تھا اور کتوں کے آگے ان ہی معصوم بچوں کو ڈال دیا جاتا تھا۔ دریائے سین کا پانی سرخ ہو گیا تھا، اسی کا نام "بار تھلمو کا ہنگامہ" ہے۔

اور ان قصوں کو میں کہاں تک نقل کروں، کلیسا کے درو دیوار اس کی ایک ایک اینٹ، ایک ایک پتھر جس سے اس کی تعمیر ہوئی تھی "لمن الملائک الیوم" کی آواز نکل نکل کر یورپ کے گاؤں گاؤں کھیرے کھیرے میں گونجتی رہتی تھی۔ گرانٹ صاحب نے ایک اور موقع پر ایک پاپائی دعویٰ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"خدا نے ہمیں تمام بادشاہوں اور شہنشاہوں کا ستراج بنایا ہے، تاکہ ہم اس کے نام سے جسے چاہیں اکھاڑ پھینکیں، تباہ کر دیں"

یہ پاپائی جلال کا اظہار تھا، جو خدا کے نام سے کیا جاتا تھا، اور اس تخریبی اقتدار مطلق کے بعد تعمیری اختیار کی تعمیر ان الفاظ میں کی جاتی تھی۔

"یا اگر چاہیں تو ختم ریزی کریں، اور نئی عمارت بنائیں"

گرانٹ صاحب نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کلیسا کا عام ادعا یہ تھا۔

"اگر دنیاوی حکومت سے غلطی ہو جائے تو روحانی حکومت اس کی اصلاح کر سکتی ہے"

لیکن اگر روحانی حکومت سے کوئی غلطی سرزد ہو تو اس کا انہ اف کریو لالا خدا ہے (ص ۳۳۲)

(۱) گرانٹ ہی نے لکھا ہے کہ ان پوپوں کے پاس گزشتہ بالاد و ثائق اور دعاوی کے علاوہ

چار چیزیں اور تھیں سینٹ پیٹر (پطرس جواری) کی عبا (۲) مسططین کا تلج (۳) جنت کی کنجی،

(۴) صلیب، کسی قسم کا کوئی شخص ہو، ان چیزوں کے بہن لینے کے بعد وہ دنیا کی تمام قوتوں کی دسترس سے باہر ہو جاتا تھا۔ ایک پوپ جس کا نام "بانی فیس" تھا اور مشہور شاعر "ڈانٹے" کا معاصر تھا اس پریسیوں قسم کے الزامات تھے، خود شاعر ڈانٹے بھی اس کے شدید مخالفوں میں تھا لیکن مخالفوں کے محاصرہ میں اپنے آپ کو پا کر اس نے بقول گرانٹ،

"سینٹ پیٹر کی عجازی بدن کی، قسطنطین کا تاج سر پر رکھا، اور بہشت کی کنجیاں

اور صلیب اپنے ہاتھ میں لیکر تختِ پاپائی پر جلوہ افروز ہوا" (ص ۳۳۷)

لیکن اس پر بھی بعض مخالفوں نے سخت و سست سنایا، بلکہ کہتے ہیں کہ اس بڑھے پوپ کے منہ پر زرہ پوش کو لونانے گھونسا بھی مارا، حالانکہ وہ اپنے منصب کا پورا لباس پہنے ہوئے تھا۔ گرانٹ کا بیان ہے کہ یہ ایسا واقعہ تھا کہ

"بنائے زمانہ کو اس (مجرم پوپ) سے ہمدردی پیدا ہو گئی، وہ ان قصوں اور

روایتوں کو بھول گئے جو اس کے افعال و خصائل کے متعلق مشہور تھیں، حتیٰ کہ شاعر

ڈانٹے جو اس کا مخالف تھا مگر اس نے بھی ایک عظیم الشان نظم میں اس اندوہناک

واقعہ کا ذکر نہایت تاسف سے کیا ہے، اس کا قول ہے "ترج پھر حواریوں کے درمیان

مصلوب کیا گیا، سرکہ اور زہراں کے لبوں سے پھر لگایا گیا" (ص ۳۳۷)

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ پوپ تو خیر پوپ ہی تھے ان کے اعمال و افعال، خصائل و عادات کی تفصیلات تو کتابوں میں پڑھئے، کلیسا کے دائرہ میں جو لوگ راہب بن کر زندگی گزارتے تھے، گرانٹ نے ان کی اخلاقی خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"بعض راہب تو پورے پورے ڈاکو بن گئے" (ص ۲۳۰)

اور یہ تو ابتداء میں ہوا، بعد کو دین اور دین کی نصرت و تائید کے نام سے صدیوں تک

مذہبی اختلافات کے اس قصہ میں جو کچھ کیا گیا ہے "محکمہ تفتیش" نے جو قرآنِ انجم دیئے ہیں، ایک

فرقہ نے دوسرے فرقہ والوں کو موصوفہ "فرقہ" کے طور پر پیش کیا، اور فرما دیا کہ یہ فرقہ سے قتل

کیا ہے یا زندہ جلا یا ہے اور مختلف ترکیبوں سے مارا ہے، حساب لگانے والے کہتے ہیں کہ ان کی تعداد دس لاکھ تک پہنچی ہوئی تھی۔ اور میں کہاں تک تفصیل کروں کہ اس راہ میں کیا کیا نہ کیا گیا۔ مذہب اور مذہبی نمائندوں کے متعلق کیا بتایا جائے کہ غریب یورپ کو کن کن تجربات سے گزرنا پڑا؟ ہم سن رہے ہیں اور ہمارا خون کھول رہا ہے صرف اس لئے کھول رہا ہے کہ کچھ بھی ہو، آخر وہ بیچارے بھی تو انسان ہی تھے، لیکن یورپ کو تو بھگتا پڑا ہے، سال دو سال نہیں، صدی دو صدی بھی نہیں ہزار ڈیڑھ ہزار سال تک یورپ کے مذہب نے ان ہی آتشیں تماشوں کو اس کے آگے مسلسل پیش کیا ہے اور یہ ہے یورپ کے مذہب اور مذہبی اختلافات کے ماضی کی تاریخ جس کا نام اس نے "قرونِ متوسطہ" رکھا ہے۔

جنہوں نے نہیں سوچا ہے، اگر واقعی حقائق و واقعات کی روشنی میں وہ کچھ سوچنا چاہتے ہیں، خدا را اب تو انہیں سوچنا چاہئے کہ اسلام کے مذہبی اختلاف کی تاریخ کو یورپ کے مذہبی اختلافات کی تاریخ پر منطبق کر کے آئے دن جن نئے نتائج سے سیدھے سادے ناواقف مسلمانوں میں وہ حیرانی و تشویش پیدا کر رہے ہیں، دین کی نہ سہی علم ہی کی کیا کوئی سچی راستبازانہ خدمت انجام دے رہے ہیں؟

یہ صحیح ہے کہ ان نتائج کے پیدا کرنے میں ان مخفی کنایوں اور معصومانہ اشاروں کو بھی گونہ دخل ہے، جن کا ذکر اسلامی تاریخ کے متعلق یورپ کے مورخین کسی نہ کسی وجہ سے ایک حد تک اپنا خوش گوار فرض یا لذیذ مشغلہ قرار دے ہوئے ہیں، ان کا تو شاید التزام ہے کہ جن جن آلائشوں سے ان کی تاریخ کا دامن ملوث اور آلودہ ہے، واقعہ ہو یا نہ ہو، لیکن کسی نہ کسی طرح جان ہی داغوں اور ان ہی دھبوں کو اسلام کے دامن پر بھی نمایاں کر کے دکھایا جاسکتا ہے۔

غیر مذہب والوں کو یہ جبرِ عینائی بنانا، قرونِ متوسطہ کی ایک عام خصوصیت ہے خود مسلمانوں کے ساتھ ملکہ از ابلا اور اس کے شبہ فرڈی نینڈ نے اسپین میں جو سلوک کیا، آج اس سے کون ناواقف ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی حکومت، چھ سو سال تک رہی

آج وہاں اسلام کا نام لیوا بھی کوئی نہیں ہے۔ سلی ہو یا مالٹا یا وہ سارے جزائر جو مسلمانوں سے چھینے گئے۔ تقریباً سب کا یہی حال ہے۔ گرانٹ صاحب جنہیں اپنے آباؤ اجداد کی عیب پوشیوں میں کچھ کم بہارت حاصل نہیں۔ ایک موقع پر جرمنی کی ایک قوم فرینک نامی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔
 ”انہوں نے نہایت سختی کے ساتھ وہاں کے باشندوں کو عیسائی ہونے پر مجبور کیا۔“
 اسی پر اور اضافہ کرتے ہیں۔

”شارلی میں رچو سپانیہ کے مسلمانوں کا حریف مقابل تھا، بھی اپنے شکست خوردہ حریف کو ہمیشہ عیسائی ہونے پر مجبور کیا کرتا تھا، بغیر اس کے ان کے اظہار اطاعت کو قبول نہ کرتا“ (ص ۳۵۱)

لیکن پھیلا دیا گیا کہ اسلام ہی دنیا میں بہ چبر پھیلا، حالانکہ مشکل ہی سے اس کا کوئی ایسا ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے جو قابل تسلیم ہو۔
 مخالف قوموں پر فتح پانے کے بعد قرونِ متوسطہ کے عیسائیوں کا عام دستور تھا کہ ان کے کتابخانوں کو جلادیتے تھے، عبادت گاہوں کو ڈھادیتے تھے۔ گرانٹ صاحب نے ایک موقع پر لکھا کہ
 حالانکہ اس قسم کے واقعات کے تذکرہ کرنے میں وہ بہت زیادہ محتاط ہیں۔ تاہم لکھتے ہیں۔
 ”مسیحیت کی فتح کے ساتھ ہی افسوس ہے کہ فنونِ لطیفہ کے نادر نمونوں کو اس بے دردی سے تباہ کیا گیا کہ صفحہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔“
 پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔

”شعرا و فلسفیوں اور مورخوں کی ان تصانیف کے ساتھ بھی یہی برتاؤ روا رکھا گیا“ (ص ۲۱۰)

اور یورپ کی تاریخ میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن ہم نے جو کچھ کیا ہے، تم بھی اسی جرم کے مجرم ہو، صرف اس کو دکھانے کے لئے کون نہیں جانتا کہ سکندریہ کے کتب خانہ کا لطیفہ تراشا گیا، جو بات نہ عقلاً درست ہو، نہ کبھی اور نہ فحش کی گئی کہ اسی کو صحیح اور درست

ثابت کر کے دکھایا جائے، خیر یہ تو چند خارج از بحث مثالیں تھیں، قصہ مذہبی اختلافات اور ان کے نتائج کا ہو رہا تھا، یورپ کی پوری تاریخ چونکہ ان ہی ہنگاموں کا ایک خونی مرقع ہے کلیسا اور کلیسا کے وابستوں نے جو کچھ کیا، یہ تو پچھلے زمانہ کی تازہ تاریخ ہے مشکل سے ان واقعات پر صدی دو صدی سے زیادہ مدت گزری ہے لیکن سچ پوچھئے تو عیسائیوں کا یہ حال ابتدا ہی سے تھا، ۱۳۶۷ء کے واقعات کے سلسلہ میں گرانٹ صاحب نے لکھا ہے،

”مختلف مسیحی فرقے اس وحشیانہ پن کے ساتھ آپس میں لڑ رہے تھے، کہ صوبہ افریقہ کا

ایک بڑا حصہ ویران ہو گیا“ (ص ۲۰۶)

بہر حال ہو سکتا ہے کہ اسلام کے مذہبی اختلافات کی تاریخ سے آج جن نتائج کے پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، ان میں مغربی مورخین کے اس طرز عمل کو بھی دخل ہو کہ جو تیر ان کے کلیجوں میں چبھے ہوئے ہیں، ان ہی کو نکال نکال کر حسب عادت وہ اسلام کے سینے میں بھونکنا چاہتے ہوں لیکن ان سے ہماری شکایت بے جا ہے، مجھے تو گلہ اپنوں سے ہے، ان سے پوچھتا ہوں کہ اپنے حال کو سمجھنے کے لئے بجائے اپنی آنکھوں کے غیروں سے مانگی ہوئی آنکھوں سے مطالعہ کرنا کہاں تک درست تھا، جن لوگوں کو اب تک اس کی توفیق نہیں ہوئی ہے، کاش میرے پیش کردہ بیانات ہی کے بعد ان میں خود تصویریت کے جذبہ غیرت میں کچھ جنبش پیدا ہو۔

خیر کچھ بھی ہو اب بتایا جائے کہ مذہب کے لباس میں یورپ نے اپنے قرونِ متوسطہ میں جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ مذہبی نمایندوں کی طرف سے اس کو دکھایا گیا ہے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کے کسی حصہ میں اسے ڈھونڈنا چاہئے، غریب مسلمانوں نے کب اور کہاں کلیسا کا نظام قائم کیا، پاپائیت مطلقہ کا مقام عام مسلمانوں کے مقابلہ میں یا ان کے سلاطین و امراء کے مقابلہ میں کن کن لوگوں کو کس کس قرن میں کہاں کہاں حاصل ہوا تھا، نہ جاننے والوں کو جاننے کی قلمبازی ضرورت نے عام مسلمانوں کو مختلف زمانوں میں جن جن جاننے والے بزرگوں پر جمع کر دیا تھا۔ جہل کا علم کے ساتھ جو یہ ناگزیر فطری قلمبازی ہے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں جو مسلمانوں کی مذہبی تاریخ میں بھی مسیحیوں کے

تقریباً متوسطہ کی تصویروں کو نمایاں کرنے کے لئے بے چین و مضطرب ہیں ان ہی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ احتیاج کے اس تعلق سے نفع اٹھاتے ہوئے کب کہاں، کس زمانے میں، کن لوگوں کی طرف سے اس دعویٰ کی منادی کی گئی کہ سب کچھ ان ہی کا ہے جو مذہب کے جاننے والے ہیں، نہ جاننے والوں کا کام صرف اس قدر ہے کہ جاننے والوں کی طرف سے جو کچھ جس شکل میں بھی نہیں عنایت کیا جائے صبر و شکر کے ساتھ اسے قبول کر لیں، صاف لفظوں میں دریافت کرتا ہوں بتانے والے خدا را بتائیں کہ مسلمانوں کے کن اماموں، کن مجتہدوں، کن فقیہوں، کن محدثوں، کن متکلموں کی طرف سے ایسا وثیقہ پیش کیا گیا، کہ

”اسلامی ممالک پر حکمرانی کا حق صرف ان ہی کو حاصل ہے“

مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں نے کس خلیفہ یا بادشاہ کے عطیہ کو دنیا میں اس نام سے پیش کیا کہ جس کا ملک تھا، اس نے اپنی شفا یابی کے شکرانے میں تمام شاہی محلات، شاہی دارالسلطنت پر تمام صوبوں اور اضلاع و ممالک کے ساتھ قبضہ دلا یا ہے، کس کی طرف سے اس دعویٰ کا اشتہار کیا گیا کہ مذہب کی ناسندگی کا جن کو حق ہے، ان پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا، سلطنت کی عدالتوں کو ان کے مقدمات کی سننے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، دنیا کے سلاطین اور شاہزادے ان کے دست نگر ہیں، وہ جس بادشاہ یا بادشاہوں کے بادشاہ شہنشاہ کو بھی جب چاہیں معزول کر سکتے ہیں، ان بیچاروں میں ایسا کون تھا جس نے شاہنشاہوں کی سرتاجی کا دعویٰ کر کے اعلان کیا ہو کہ خدا کے نام سے جسے چاہیں اکھاڑ پھینکیں، تباہ کر دیں، برباد کر دیں، نیست و نابود کر دیں، منتشر کر دیں، ہاتھ میں جنت کی کنجیوں کو لے کر معافی اور امرزش کے پروانوں کی ان میں کس نے کب اور کہاں تجارت کی ہے، خدا کی رحمت کا سودا گران میں کون تھا، کس قرن اور کس عہد میں یہ باور کرایا گیا کہ دنیا کی حکومتوں سے غلطی ہو جائے تو روحانی حکومت اس کی اصلاح کر سکتی ہے، لیکن روحانی حکومت سے اگر غلطی ہو جائے تو اس کا انصاف کرنے والا

باوجود عیسائی ہونے کے، کلیسا کے پولپوں نے جو مذہب کی تشریح کی تھی، اس تشریح سے اختلاف کرنے والوں پر عیسائی مذہب کے پیشواؤں نے انتقام کی جو آگ، مذہب کے نام سے برساتی، دین کے نامزدوں نے قتل عام کے خویش سمندر میں انھیں جو غوطے دیئے جس کے سننے سے اب بھی سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیا مذہب اسلام کی تشریح کرنے والوں کی تاریخ میں اختلاف رکھنے والوں کے ساتھ اس طرز عمل کو کسی پیمانے پر سہی، کبھی روارکھا گیا ہے، دینی اختلافات کے متعلق عام مسلمانوں کا جو نقطہ نظر ابتداء سے آخر تک رہا، اس کا حال سنایا جا چکا ہے، کیا دونوں میں کوئی نسبت ہے؟

کلیسا کے تشریحی نظریات و آراء سے اختلاف کرنے والوں کی تفصیل سے یورپ کی تاریخ بھری پڑی ہے، اجمالاً میں نے بھی اشارے کئے ہیں، لیکن ”مذہبی اختلاف“ کے جس لفظ نے یورپ کی سرزمین کو سینکڑوں سال تک انسانوں کے خون سے رنگین رکھا، جسے اسی ”مذہبی اختلاف“ کی جو تاریخ اسلام میں مرتب ہوئی ہے، سنتے ہو اس کے واقعات کیا ہیں، خود امام مالکؒ راوی ہیں۔

قال لما حج المنصور قال لي جب عباسی خلیفہ منصور نے حج کیا تو اس نے
عزمت علی ان امر بکتبہ مجھ سے (یعنی امام مالکؒ سے) کہا میں نے یہ پختہ ارادہ
هذا التي وضعتہ فتنتم ثم کرلیا ہے کہ جو کتابیں آپ نے لکھی ہیں ان کی نقلیں کراؤ۔
ابعث الی کل مصر من امصار پھر مسلمانوں کے ہر شہر میں انھیں بھیج کر یہ فرمان
المسلمین منها نسخة و کر دوں کہ لوگ صرف ان ہی کتابوں کے مطابق
امرهم ان يعملوا بما فيها عمل کریں، ان کے حدود سے متجاوز نہ ہو کر کوئی اور
ولا يعتدوا الی غیرہ۔ طریقہ اختیار کریں۔

لہ میزان الکبریٰ الشعرانی وغیرہ۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو خود تو کیا خیال آتا، ان سے اختلاف رکھنے والوں کے متعلق اس
 و شاہ میں خیال پیدا ہوتا ہے، اور پیدا کیا ہوتا ہے، پختہ ارادے کی شکل اختیار کر چکا ہے جو اپنی عسکری
 و سیاسی قوت میں غالباً روئے زمین پر اس زمانہ کا سب سے بڑا طاقتور بادشاہ تھا، اپنی سلطنت کے
 مارے وسائل و ذرائع کو امام مالک کے قدموں پر اس لئے ڈال دیتا ہے کہ جو ان سے اختلاف رکھتے
 ہیں، ان کا ہمیشہ ہمیش کے لئے خاتمہ کر دیا جائے اور جس تلوار کو منصور امام کے ہاتھ میں دے رہا تھا، اگر
 لے لیتے تو کامیابی میں بھی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی، لیکن مذہبی اختلاف کے جس تماشے کو یورپ کے
 نرون متوسط اور مسیحی مذہب کے دور کلیسائیت میں دیکھا جا چکا ہے، اب اسی اختلاف کے نتائج
 و اسلام کی تاریخ میں بھی چاہئے کہ سنا جائے اور بگوشِ عبرت سنا جائے۔ خلیفہ منصور کے اس ارادے
 سے مطلع ہوئے کے بعد امام نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔

یا امیر المومنین لا تفعل هذا لے مسلمانوں کے امیر آپ ہرگز ایسا نہ کیجئے،

یوں نہ کیجئے، خود ہی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فان الناس قد سبقت الیہم مسلمانوں کے پاس (دوسرے علماء) کے اقوال پہلے پہنچ

اقاویل و سمعوا احادیث و روا چکے ہیں حدیثیں وہ سن چکے ہیں، روایتیں روایت

روایات و اخذ کل قوم بما سبق کر چکے ہیں، لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی ہے

الیہم و داوا فدع الناس اسی پروہ عمل پر اچھو چکے ہیں، پس ہر آبادی کے باشندے

و ما اختار اهل كل بلد منهم جو باتیں اپنے لئے اختیار کر چکے ہیں ان ہی کے ساتھ

لا نفسہم۔ لوگوں کو چھوڑ دیجئے۔

جو اختلاف کرے گا، اگھاڑ پھینک جائے گا، برباد کر دیا جائے گا، نیست و نابود کر دیا جائے گا

و جنہوں نے اختلاف کیا وہ اگھاڑ پھینک گئے، برباد کئے گئے، نیست و نابود کئے گئے، "مذہبی اختلافات"

کے لحاظ سے یہ نتائج یورپ کے قرون متوسطہ میں پیدا کئے اور آپ قرون متوسطہ مسلمانوں کے

جن قرون کو قرار دینا چاہتے ہیں اسی مذہبی اختلاف کے رکھنے والوں کو جب برباد کرنے

اکھاڑ پھینکنے، نیت و ناپود کرنے کا ارادہ اور سختہ ارادہ کیا گیا، تو جس سے اختلاف کی وجہ سے یہ ارادہ کیا گیا تھا، اسی نے نہ صرف اختلاف کرنے والوں کو بلکہ ان کے اختلاف کو بھی نیت و ناپود ہونے سے بچا لیا، اور ہمیشہ کے لئے بچا لیا۔ کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد منصور کے بعد عباسی حکومت کا جو تیسرا خلیفہ ہارون الرشید تھا وہ بھی حج کے سلسلہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچا ہے۔ امام مالکؒ سے اس کی بھی ملاقات ہوتی ہے۔ امام صحی اس قصہ کے بھی راوی ہیں۔

شادرنی ہارون الرشید ہارون الرشید نے مجھ سے اس باب میں مشورہ کیا کہ
فی ان یعلق الموطاء فی خانہ کعبہ میں الموطا (امام مالکؒ کی کتاب) لٹکا دیجئے
الکعبہ ویعمل الناس اور عام مسلمانوں کو اسی کے متعلق عمل کرنے پر
علی ما فیہ آمادہ کیا جائے۔

جواب میں اس وقت بھی امام نے یہی فرمایا۔

لا تفعل فان اصحاب رسول الله اباہ کیجئے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
صلی اللہ علیہ وسلم اختلافوا فی صحابہ اسلام کے فروعی مسائل (یعنی البینات میں
الفروع و تفروا فی البلدان و نہیں) باہم اختلاف رکھتے تھے، وہی لوگ مختلف
کل مصیب لہ آبادیوں میں پھیل گئے، ان میں ہر ایک حق و صواب پر تھا۔

مطلب وہی تھا کہ اختلاف کی یہ شکل اسلام میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، نبوت کے صحبت یافتہوں نے جب اس کے ازالہ کی کوشش نہیں کی، بلکہ زیادہ تر یہ اختلافات ان ہی کے اختلافات پر مبنی ہیں، تو جس نے جو طریقہ اختیار کر لیا ہے، اس سے خواہ مخواہ ہٹانے کی ضرورت کیا ہے۔

”کلیسائیت“ کا شبہ اگر کچھ ہو سکتا تھا تو ہماری فقہ کے ان ہی مکاتب خیال کے متعلق ہو سکتا تھا، لیکن امام مالکؒ ان ہی فقہی طریقوں میں سے ایک طریقہ کے امام الامہ ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں کہ اقدار و اختیار کے باوجود مذہبی اختلاف کے ان الفاظ کو انھوں نے کتنا سبک اور نرم فرما دیا تھا۔

۱۔ میزان الکبریٰ وغیرہ۔

اور کچھ وہی اس معاملہ میں منفرد نہ تھے، کچھ پہلے عمر بن عبد العزیز خلیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف اقوال میں سے اسی نہ ہی اختلاف کے متعلق یہ الفاظ نقل کر چکا ہوں، یعنی ان سے جب یہ خواہش کی گئی کہ مسلمانوں کو ایک ہی مسلک پر کاش آپ بزور حکومت جمع فرمادیتے تو آپ نے جواب میں یہ کہتے ہوئے کہ "مسلمانوں میں اگر یہ اختلافات نہ ہوتے تو یہ بات مجھے اچھی نہ لگتی" ممالک مشرق میں یہ فرمان جاری فرمادیا تھا۔

لیقظی کل قوم بما اجتماع
 ہر جگہ کے لوگ اسی کے مطابق فیصلہ کریں
 علیہ فقہاء ہم ملے
 جس پر ان کے فقہا رہیں۔

پس وہ تھا مسلمانوں کے اماموں کا رویہ ان مذہبی اختلافات کے متعلق، اور یہ تھا امراء و سلاطین کا طرز عمل، کہتے ہیں ہارون الرشید کو مشورہ کے بعد امام مالکؒ نے جو جواب دیا تو ہارون الرشید نے سن کر کہا،

یا ابا عبد الله
وفی الله

اور یہی میں کہتا چلا آ رہا ہوں کہ ہمارے عوام ہوں یا خواص، مذہبی پیشوا ہوں یا سیاسی زعماء، اس باب میں سب کا ایک ہی خیال شروع میں بھی رہا تھا، درمیان میں بھی رہا، اور آخر میں بھی رہا لیکن نہ جاننے والوں کو کیا کہا جائے کہاں تک سنایا جائے، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کتابوں میں جو یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ

تَرَكَ الْقَنُوتَ لِمَا زَارَ قَبْرَ أَبِي حَنِيفَةَ وَادَى صَلَاةَ الصُّبْحِ عِنْدَ وَقَالِ كَيْفَ اَمْتِ بِحَضْرَةِ الْاِمَامِ رَهْوَ لَا يَقُولُ بِهِ عَه

جب امام ابو حنیفہؒ کے مزار کی زیارت کو تشریف لے گئے تو انھوں نے (امام شافعیؒ نے) صبح کی نماز میں قنوت کی دعا چھوڑ دی اور بولے کہ امام کے سامنے کچھ پڑھوں وہ اس کے قاتل نہ بنے۔

بعض کتابوں میں یہ بھی ہے کہ خود امام شافعیؒ فرماتے تھے۔

صلیٰ اللہ علیہ وسلم ابھرا بالبطلۃ میں نے صبح کی نماز پڑھی تو بسم اللہ کو زور سے نہ پڑھا

ولا فت جاء من ابی حنیفۃؒ اور قنوت کی دعا امام ابو حنیفہؒ کے شرم سے نہ پڑھی،

تقریباً اسی قسم کی بات حنبلیوں کے امام حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے ان کے پوچھا گیا کہ وضو کے بعد جس کی نکیر پھوٹی ہو یا اس نے حجامت (بچھنا) لیا ہو، کیا اس کے پیچھے نماز آپ پڑھ سکتے ہیں، باوجودیکہ امام احمد کا مذہب تھا کہ ان چیزوں سے یعنی خون نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن صحابہ و تابعین میں ایک جماعت اس کی قائل نہ تھی، جن میں سعید بن المسیب مدینہ کے افضل تابعین بھی ہیں۔ امام احمد نے جواب میں فرمایا۔

کیف لا اصلی خلف سعید بن المسیب سعید بن المسیب کے پیچھے میں نماز کیسے نہ پڑھوں گا۔

دیکھ رہے ہو خود براہ راست اسلام کے فقہی مکاتب خیال کے ان ائمہ کا ذاتی خیال اختلاف مذہب کی ان شکلوں کے متعلق کیا ہے، حنفیوں کے مشہور امام یعنی "الامام الثانی" قاضی ابویوسف کے متعلق ہدایہ وغیرہ تک میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ عید کی نماز میں ہارون الرشید کے منشار کے مطابق انھوں نے اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کو چھوڑ کر اس فتویٰ پر عمل کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے، بلکہ کتابوں میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ہارون کے ساتھ قاضی ابویوسف مدینہ میں ساتھ تھے، اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہارون ہی کو امامت کے لئے آگے بڑھایا گیا، وضو کرنے کے بعد اس نے حجامت (بچھنے) کا عمل اپنے اوپر کرایا تھا جس میں خون نکلا تھا، حنفی مذہب کی رو سے وضو ٹوٹ گیا۔ لیکن امام مالکؒ نے جو خون نکلنے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں ہیں، اسی حال میں ہارون کو نماز پڑھانے کا فتویٰ دیا۔ قاضی ابویوسفؒ بغیر کسی مذہب کے ہاتھ باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے فیصلی خلف ولیم یحییٰ (ابویوسفؒ نے ہارون کے پیچھے نماز پڑھی اور اسے نہیں لٹایا)۔

۱۳۵۰ھ جولائی

اور میں تو کہتا ہوں کہ خود امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ راشدین قاضی ابو یوسف و محمد بن حسن الثیبانی وغیرہم حضرات میں فقہ کے تقریباً ہر باب میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں، اگرچہ عوام میں مشہور کر دیا گیا ہے کہ ان اختلافات کی نوعیت اصولی اختلافات کی ہے، لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اصولی اختلاف یعنی دین کے "البنات" میں بحمد اللہ ان بزرگوں میں قطعاً کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، اختلافات جو کچھ بھی ہیں وہ مذہب کے صرف غیر بنیاتی حصے سے متعلق ہیں، پھر یہ کہنا کہ دوسرے ائمہ اور امام ابو حنیفہؒ میں تو اصولی اختلافات ہیں، صحیح نہیں ہے، اور اگر اصولی اختلافات کا کچھ اور مطلب ہے تو کسی حیثیت سے بھی سوچا جائے، میں قطعاً اس فرق کے سمجھنے سے عاری ہوں، جس قسم کے اختلافات امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ و مالکؒ میں نظر آتے ہیں۔ بحسنہ اسی نوعیت کے اختلافات امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں بھی تقریباً شریعت کے ہر باب میں پائے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تناواری عالم علامہ ہارون شہاب الدین المرجانی کی یہ تنقید جو قول مشہور پر انھوں نے کی ہے بالکل صحیح ہے۔ اور واقعات کے مطابق ہے، ان کی کتاب "ناظورۃ الحق" سے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے "النافع الکبیر" میں نقل فرمایا ہے۔

لیت شعری ما معنی قولہما ان کچھ سمجھ میں نہیں آتا، لوگوں کا اس سے کیا مطلب
ابا یوسف و محمد و زفر و ان خالفوا ہے کہ ابو یوسف و محمد و زفر نے بھی اگرچہ
ابا حنیفہ فی بعض الاحکام لکنہم امام سے بعض احکام میں اختلاف کیا ہے
یقلد و نھم فی الاصول ما الذی لیکن یہ لوگ امام ابو حنیفہؒ کی اصول میں
یریدون بہ - تقلید کرتے ہیں۔

پھر خود ہی مرجانی نے بڑے بسط و تفصیل سے مختلف شواہد و نظائر کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ اختلاف کی ان دونوں قسموں میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے اسی لئے ان کا خیال ہے کہ امام شافعیؒ و مالکؒ وغیرہم حضرات کو جس طرح امام ابو حنیفہؒ کے مقابلہ میں مجتہد مطلق سمجھا

جاتا ہے کوئی وجہ نہیں کہ ابو یوسف و محمد وغیرہا کو بھی اجتہادِ مطلق کے اس منصب سے اتار کر
 ”مجتہد مقلد“ ٹھیرا جائے۔ آخر میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ لوگ چونکہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے
 اس لئے اپنے آپ کو تلمذِ امام ابو حنیفہؒ ہی کی طرف منسوب کرتے رہے، اسی لئے کسی مستقل کتب
 خیال کی حیثیت سے ان کے نظریات و اجتہادات نے شہرت حاصل نہیں کی، ورنہ بقول ان کے

لو انهم اوعوا بنشر اراکھم بین اگر یہ لوگ (تلامذہ امام) ہی عام لوگوں میں اپنے

المخلوق لکان کل ذلک مذہباً اراد کی اشاعت کی طرف متوجہ ہو جاتے تو ان کا بھی

منشور داعن مذہب ابی حنیفہ ایک مستقل مذہب ابو حنیفہؒ کے کتب خیال سے

(نافع الکبیر ص ۱۵) جبراً ہو جاتا۔

بہر حال جب یہی واقعہ ہے، اور اسی کے ساتھ ہم یہ بھی جانتے ہیں جیسا کہ آئندہ تفصیل
 سے معلوم ہوگا کہ حنفی فقہ کی تدوین، ماہرین کی ایک باضابطہ ”مجلس شوریٰ“ نے کی ہے، جس میں
 گویا صدر کی حیثیت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، اور ان کے تلامذہ جو مختلف علوم و فنون کے
 مستند ماہرین میں تھے، ان کی حیثیت ارکان کی تھی۔ سب جانتے ہیں کہ کتابوں میں امام کی رائے کے
 ساتھ ساتھ ان کے تلامذہ کے اختلافی آراء جو نقل کئے جاتے ہیں، یہ وہی اختلافات ہیں، جن کے
 اظہار کی آزادی اس مجلس میں ہر رکن کو حاصل تھی۔ صدر کی رائے کے ساتھ متفق ہونے پر کسی کو
 مجبور نہیں کیا جاتا تھا، اسی لئے جن امور میں امام سے ان کے شاگردوں کو اختلاف باقی رہتا
 تھا، وہ مجلس کی ”یادداشت“ میں اختلافی نوٹ کی حیثیت سے التزاماً درج کیا جاتا تھا، آئندہ
 معلوم ہوگا کہ شوریٰ کی اس مجلس میں بحث و تمحیص، سوال و جواب اعتراض و تنقید کی کتنی آزادی
 ہر ایک کو حاصل تھی، اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذہبی مسائل کے ان اختلافات کی نوعیت
 امام اور ان کے شاگردوں کی نگاہوں میں کیا تھی، اپنی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کو اگر یہ
 لوگ العیاذ باللہ دین کے دائرہ سے انحراف کرنے والوں میں شمار کرتے تھے، تو ان تعلقات کا
 باہم ان میں باقی رہنا کیا ممکن تھا اور آج ہزار و بارہ سو سال سے بغیر کسی دفعہ کے اور

شک و شبہ کے حقیقی فقہ کی کتابوں میں اختلافات کے یہ سارے قصے جو نقل ہوتے چلے آ رہے ہیں
 کیا یہ خود دلیل نہیں ہے کہ ”مذہبی اختلافات“ کی جو نوعیت یورپ کے قرون متوسطہ میں کلیسا اور
 وابستگانِ کلیسا کے نزدیک یا ان کے مخالفوں کے نزدیک تھی، اس میں اور مسلمانوں کے مذہبی
 اختلافات میں کسی قسم کی کوئی مشابہت یا کسی قسم کی کوئی مجابست نہیں ہے۔

مگر کیا کیجئے اور ان لوگوں سے کیا کہئے جن کے آگے مذہبی اختلافات کے الفاظ کا ذکر
 پھر انہیں کہ اچانک یورپ کے قرون متوسطہ کی وہی مذہبی تلخی ان کے سامنے آ جاتی ہے جس
 میں بڑے بڑے اہم اختلافات ہی نہیں، بلکہ جیسا کہ گرانٹ صاحب نے لکھا ہے، ایسی چھوٹی چھوٹی
 باتیں، بڑے معرکہ الارار مسائل کی حیثیت رکھتے تھے مثلاً

”عشاءِ ربانی میں خمیری روٹی استعمال کی جائے یا بلا خمیر کی، روح القدس باپ کا

منظر ہے، یا باپ اور بیٹے دونوں کا؟ سب سے اہم سوال یہ تھا کہ روما کے اسقف

کو تمام کلیسا پر تفوق حاصل ہے یا نہیں۔“ (تاریخ یورپ ص ۴۱۶)

اور یہ تھے یورپ کے قرون متوسطہ کے وہ مذہبی مسائل جن سے عیسائیوں کی ایک ٹولی کا دین
 دوسری ٹولی کے دین سے جدا اور قطعاً جدا ہو جاتا تھا، اتنا جدا کہ ان ہی اختلافات کے شعلوں میں
 صدیوں یورپ کے سارے ممالک جلتے رہے، بجھتے رہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو آج بھی یورپ میں جو کچھ
 ہو رہا ہے، شعور کسی کو اس کا ہویا نہ ہو، لیکن انسانی نفسیات اور ان کے عمل و رد عمل کے قوانین
 سے جو واقف ہیں، اگر وہ غور کریں گے تو اس کے پیچھے بہت پیچھے ان ہی کی جنگاریاں چھپی
 دینی نظر آئیں گی۔

(باقی آئندہ)